عذرا پروین

مرداساس معاشرے میں خواتین ادیبوں کے مسائل

ادب سماج کا آئینہ ہوتا ہے، مرداساس معاشرے میں خواتین ادیبوں کے کیا کیا مسائل ہو سکتے ہیں اس کا جائزہ لینے کے لئے ہمیں اپنے معاشرے میں بھی عورت کے so-cial status پر نظر ڈالنی ہو گی۔

جس سماج میں مادہ نطفے کو کوکھ میں ہی پھلنے پھولنے نہیں دیا جاتا اس سماج میں یہی نطفہ grown up female voice نسائی شکل لے لے ایک unwanted نسائی آواز کا پگھلا ہوا شیشہ بن جائے تو کون برداشت کرے گا۔ راستہ کون دے گا آسانی سے ؟ گھر سے سماج تک سماج سے ادب تک راستہ ہے ہی نہیں بنانا پڑتا ہے۔ آج ہم جس سماج میں زندہ ہیں وہاں پیدا ہوتے ہی سمجھ جاتے ہیں یا سمجھائے جاتے ہیں کہ اس سماج میں ہماری حیثیت چودہ سو سال پہلے بیٹی کے پیدا ہوتے ہی زندہ در گور کرنے والے بدو عرب سماج سے بھی گئی گزری ہے کیوں کہ تب سائنس کی عدم موجودگی کم از کم ہمیں کوکھ میں تو رہ لینے دیتی تھی، آج مادہ نطفے کا صحیح Identification ہوتے ہی جس بے رحمی سے مہذب دنیا کے ترقی یافتہ قاتل سائنس کا سہارا لے کر भ्रूण हत्या یا نسائی نطفے کا سفاکانہ قتل کرتے ہیں اس کے بعد اس بیمار سماج میں اپنا status سوچنے کے لئے ہمارے پاس رہ کیا جاتا ہے۔ صورتِ حال کی ابتری کی اس سے بڑی اور کوئی انتہا ہے کیا؟ زندگی پر اپنے ہونے کا جواز اور زمانے کے پیمانوں پر پورا اترنا۔ اس سے زیادہ کیا معیار دے پایا ہمیں سماج ؟ نجات کے دو نئے دروازے کھلتے ہیں تو دو کروڑ بند ہو جاتے ہیں۔ آج سینکڑوں تنظیمیں اور تحریکیں خواتین کے حقوق کے لئے فعال ہیں اور آج سے نہیں ۱۸۵۰ء میں یعنی ڈیڑھ سو سال پہلے سے خواتین کے لئے فیمنزم کی فعال تحریک کا آغاز ہوا، پھر بہت جلد اس سورج کی تیز کرنوں نے مشرق کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

خواتین کے مسائل اور ان کے حقوق پر مبنی یہ ڈیڑھ سو برس کی لڑائی اردو میں مردوں کے قلم سے ہی شروع ہوئی، نذیر احمد، سرسید، حالی، سیماب اور مرزا رسوا ہی تھے جو اس لڑائی میں اپنی ذمہ داری کو سمجھنے میں پوری طرح سنجیدہ اور ایماندار تھے۔ پہلے تعلیم نسواں پھر مساوی حقوق پھر ظاہر ہے کہ معاشی خود مختاری اور پھر آخر کار بدلتے بدلتے اس لڑائی نے اپنے بہت سارے مثبت رنگ کھو دیے اور یہ تحریک ایسے ہاتھوں میں چلی گئی کہ عوام کے بنیادی مسائل سے ناطہ ہی ٹوٹ گیا۔ یہ شاید ہمارے کھوکھلے نظام کا المیہ ہے کہ ہم جو بھی درخت مظلوم کے سائے کے لئے لگاتے ہیں بالآخر وہ بھی کسی نہ کسی صورت میں ظالم ہی کے لئے سائے کی فراہمی کا جواز بن جاتا ہے اور یہ جب ہوتا ہے جب ہم جڑوں کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے سسٹم کو بدلنے کے بجائے پھول پھل شاخوں کی تبدیلی کی تحریک چلاتے ہیں، ہماری آزادی کا بھی یہی حشر ہوا! اسی بات کو شمیم نکہت صاحبہ نے بھی دوسرے لفظوں میں دہرلیا ہے کہ "ہماری بیداری A.C. ڈرائینگ روم سے طلوع ہوئی بیداری ہے"۔ دیویندر اسر صاحب نے بھی پتھر توڑتی عورت کے سچ کا جائزہ لیا ہے۔ ریاض صدیقی اپنے مضمون "فیمنسٹ تحریک ایسی بلندی ایسی پستی" میں لکھتے ہیں:

> "پچاس کی دہائی میں عالمی فیمنسٹ تحریک کی اکائی ٹوٹ گئی تھی اور اس ٹوٹ پھوٹ کے بطن سے بہت متضاد اور مختلف نقطہ ہائے نظر نے جنم لیا تھا اس کثرتیت کے رجحان کا نتیجہ یہ ہوا کہ محنت کش اور متوسط طبقے کی خواتین پس منظر میں چلی گئیں اور تحریک پر شہری اشرافیہ کی گرفت مضبوط ہو گئی۔
> سرمایہ دارانہ نظام کے طریقہ کار میں ریاکاری اور مکاری دراصل وہ کیل ہوتی ہے جس پر لٹو ناچتا ہے اس لئے وہ کنفیوژن کو بڑھاوا دینے اور اختلاف کو ہوا دے کر کثرتیت پیدا کرنے پر ماہرانہ عبور رکھتی ہے۔ فکر و نظر کی اکائیت کو توڑنا اس میں شاخیں اور شاخچے پیدا کرنا ان کے تانے بانے میں عوام و متوسط طبقے کی اکثریت کے کردار کو غیر مؤثر بنانا

ہی اس کے مفادات کے تحفظ کی ضمانت ہوتی ہے اس نظام
نے کل آبادی میں آدھی سے زیادہ عورتوں کو جنھوں نے
اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالی تھی تمام انقلابی اور مزاحمتی
قوتوں سے کاٹ کر الگ کر دیا تھا"

یہ ہوا سب سے زیادہ عورتوں کی نجات سوچنے والی تحریک، عورتوں کے حق میں چلنے والی سب سے زیادہ موافق ہوا کا انجام، اب اس کے سائڈ افکٹ ہی بچے ہیں، کنفیوزڈ آزادی کے نام پر! اردو ادب میں اس کی کیا گونج سنائی دی اس کے لئے ایک الگ مضمون درکار ہے۔ فی الحال مختصراً یہ سمجھ لینا بہت ضروری ہے کہ سماج میں ایک عام عورت کا جو status ہے وہی ادب میں بھی خواتین پر پوری طرح اثرانداز ہوتا ہے۔ ادب اپنے کلچر' اپنے سسٹم' اپنے سماج کا عکاس ہوتا ہے عموماً جیسا نسائی mental status سماج میں جائز یا روا رکھا گیا اتنے ہی status کی گونج آپ کو عموماً خواتین کے اردو ادب میں رویوں اور رفتار میں ملے گی۔ exceptions کو چھوڑ کر کیوں کہ وہ تو بہر طور کسی نہ کسی طرح آدھی زندہ زمین میں گڑی آدھی باہر اپنے تخلیقی تیور اور اظہار کے باغی سرمائے کی وجہ سے ٹکی ہوئی ہیں۔ سماج ہو یا ادب جب جب عورت اپنے دستخط پر وجود کے اقرار پر مصر ہوتی ہے عموماً مرد اساس معاشرے کے ٹھیکیداروں کو یہ سب سننے برداشت کرنے کی تربیت اور عادت ورثے میں نہیں ملی ہوتی ہے، ایسی تمام جنگوں کے رخ اس طرح موڑ دیے جاتے ہیں جیسے کہ جدید تر تہذیب کے شاطر مشاقوں نے کیا ہے۔ وہ 24 گھنٹے فیشن چینل پر ہو یا مشاعرے کے اسٹیج پر، اردو کی نسائی نمائندگی کے نام پر عورت کے اس کیٹ واک سے لے کر مرد اساس تہذیب کے اس rat walk کی اندرونی روئداد بے حد کریہہ اور گھناؤنی ہے۔

ایک طرف شارٹ کٹ کا چارہ لگائے ادبی مچھیرے دوسری طرف سماج اور مرد اساس تنقید و ادب سے ایک چو مکھی لڑائی اور تھکا دینے والے سفر سے گریز کرنے والی سادہ لوح عورت کیا ہے؟ پھر ایک اچھے مضمون، ایک اچھی غزل، اک اچھے چانس کی قیمت، ایک نسائی self، ایک نسائی جسم، ایک نسائی پندار سے بھی ہو جاتا ہے بلکہ ہوتا ہے۔ ایسی پالتو عورت بھی ہمارے مرد اساس معاشرے نے ہی اپنی دوکان چلانے کے لیے بنائی ہے۔ آگے

Scanned by CamScanner

ہم اس پر بھی بات کریں گے۔

بیچنے والوں، خریدنے والوں نے مل کر ادب کو اتنا polluted کر دیا ہے کہ ایسے ماحول میں جب سچی تخلیق کارائیں ادب کے میدان میں اترتی ہیں تو بہت دن پچھلے تجربوں سے مشکوک اکثریت اس بات کا یقین ہی نہیں کر پاتی اور جب اس نسائی آواز کی سن گن خریدار پا لیتے ہیں تو اس آواز کے منصور کے پردے میں کون ساخدا بول رہا ہے اس تگ و دو میں ضائع ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

اس کی کمزوریوں اس کی ذاتیات کی نبض پر زیادہ ہاتھ ہوتا ہے وہ کس شارٹ کٹ آفر پر گر سکتی ہے، بک سکتی ہے،اس کو اپنے تخلیقی فنی امتیازات کے سوا ہر "شارٹ کٹ" کے اعلیٰ سے اعلیٰ گلیمرس لخلخے سنگھائے جاتے ہیں۔ایسے معاشرے میں کیا ہم کسی کنفیوزڈ فیمنزم کا کسی بھی کنفیوزڈ آزادی کا غازہ لگا کر مسائل سے آزاد ہو سکتے ہیں ؟ کیا ہمارے اوپر جو الزام ہے جس سناٹے کا ذکر بار بار عینی آپا نے کیا نارنگ صاحب اور جیلانی بانو نے کیا۔ابھی بھی کیوں سرسری ادب کی تخلیق میں ہمیشہ کی طرح آج کی عورت بھی سرگرم ہے جب کہ مسائل تو پہلے سے زیادہ ہیں مگر آواز پہلی سی بھی نہیں آخر کیوں؟ جب کہ خواتین پہلے ہی ادب کو بہت آگے پہنچا چکی ہیں۔ آپ سب بتائیں کہ عالمی ادب کیسے تخلیق ہوتا ہے ؟ عالمی ادب کے لئے عالمی وژن چاہیے عالمی کلچر اور عالمی بیداری چاہیے، عالمی حسیت اور عالمی ادراک چاہیے جب کہ ہماری عام اردو کی عورت کو تو یہ بتایا گیا کہ ہمارا عالم مرد ہیں، ہمارا عالم گھر ہے، بچے ہیں اور سوچنے کی ہمیں نہ فرصت ہے اور نہ تربیت۔

بڑے ادب کی تخلیق میں ہی تو مسئلہ ہے ورنہ لکھنے والیوں کی ایک لمبی قطار آج بھی موجود ہے۔ افسانہ، شاعری، تنقید کہیں بھی دیکھیے مگر آپ ہم جس آفاقی vision کی ڈیمانڈ کر رہے ہیں کیا بڑے ادب کی تخلیق کے لئے جو بڑا وژن بڑی ذہنی تیاری اور ذہنی تربیت، بڑا مطالعہ چاہیے وہ عموماً ہماری عام اردو کی عورت کے پاس ہوتا ہے ؟ ادب کی تخلیق سے پہلے جو ضروری mental process ہے جو ذہنی ارتقاء ہے جو ضروری ہوم ورک ہے اردو کی عورت پر وہ دروازے بند ہیں۔ سوال یہ ہے کہ unwanted ڈیمانڈز سے بھرے un-wanted مرد اساس معاشرے میں طرح طرح کے اندھا کر دینے والے خیرہ کن گلیمر سے

نبٹنے والے مدافعانہ تیور ہماری مشرق کی عورت کے تربیتی نظام میں شامل ہیں ؟ کیا ہماری عورت میں وہ توانائی پنپنے دی گئی ہے۔یا سپردگی اور صلح جوئی کو اس کا اکلوتا اور واحد حسن قرار دے کر وٹامن اس کثرت سے عورت کو دیا گیا کہ کثرتِ وٹامن ہی مسائل کے کینسر کا سبب بن گیا۔

ہم بچپن ہی سے جس عورت میں سپردگی اور صلح جوئی کو چھوڑ کر بقیہ ہر تیور کی شہ رگ کاٹ دیتے ہیں اور اسی میں اس کی بھلائی اور سماج میں گزارے کی صورت اسے بتاتے ہیں اور گزارے والی عورت مری ہوئی عورت ہوتی ہے۔ مری عورتوں کا کوئی ادب نہیں ہوتا ہاں ان کی قبروں پر کھڑے ہو کر بہت سارے ادیب مردوں کا قد ضرور اونچا ہو سکتا ہے، ان مری ہوئی عورتوں کو بڑے ادب، عالمی ادب کے چیلینجنگ محاذوں پر آخر ہم کس منہ سے بھیج سکتے ہیں اور بھیجیں تو رزلٹ کیا رہے گا؟ یہی مری ہوئی عورت جب-hand-icap بنی گھر سے باہر نئی نئی ملی آزادی کو اپنے مسائل کا حل مان کر گھر سے باہر نکلتی ہے ادب، آرٹ، شاعری کوئی محاذ ہو مشرق کی کچی پکی ادھ کچری سوچ کی پالی گئی طرح کی افیموں کی عادی بنائی گئی عورت ذہن کی کل بند کھڑکیوں سمیت ایک گندے در کی طرح ہوتی ہے۔ ایسی عورت کے لئے طالبان کے زنداں زیادہ اچھی پناہ ہیں، ادب میں اس کا کیا کام۔ آئی بھی تو آپ ہی تحقیر بن کے۔ مگر اس کو آپ زبردستی محض عورت کی نمائندگی ثابت کرنے، خود کو بے داغ ظاہر کرنے کے لئے کسی محاذ پر بھیج بھی دیں تو رزلٹ کیا رہے گا؟ اور جو رزلٹ رہے گا مرد اساس معاشرہ پوری طرح ذمہ دار ہے اس کا۔ جس اپنچی عورت کو تربیت کی آڑ میں آپ افیم دیتے رہے اسے مغرب کے پر کشش نعروں کی دوکان دکھلا کر بتلایا۔۔۔اب تم آزاد ہو؟ اور وہ نکل گئی مغرب کی مرعوب کن تحریکات کے غنچہ میں آکر خود کو آزاد سمجھ کر جب کہ اس کے دکھ اس کے چیلنج مغرب کی عورت سے کہیں زیادہ تھے کہیں زیادہ ہیں۔

مغرب کی وہ عورت جس کے پاس اپنے کلچر کی تعمیر کا خاص رول ہوتا ہے اور نہ مزید دوسرے tension۔ مغرب کی اس عورت کے پاس تو ہوتا ہے تنومند ذہن، فری سیکس سے nourished آسودہ جسم۔ غیر معمولی اعتماد، اعلیٰ تعلیم اور سب سے بڑھ کر یہاں سے کروڑوں گنا زیادہ کمپر و مائزنگ سماج، فراخدل کنزیومرازم اور میٹریلزم میں گلے گلے ڈوبا

مرد جو اگر ہماری تہذیب میں رائج ہو جائے تو اسے دلال کہتے ہیں۔ان کا الگ جغرافیہ' الگ مخصوص تاریخ الگ مخصوص تہذیب ان کے ساتھ ہوتی ہے۔ وہاں ہر چیز take it easy کے مقولے پر ٹکی ہوئی ہے۔ہمارے یہاں کی عورت مسائل سے آزادی کے نام پر اس میں سے ایک کارڈ بھی رکھ سکتی ہے کیا؟ رکھے تو راس آئے گا؟ مشرق کو مغرب میں کوئی بدل سکتا ہے ؟تربیت کا مارا امیجی، او نگھتا ذہن، لہو میں بہہ رہی صدیوں پرانی عورت، سانسوں میں دوڑ تا شوقِ آزادی، اتنے تضادات کا سفر ہے مشرق کی عورت کا سفر !جو مغرب کی عورت کے سفر سے کہیں زیادہ چیلینجنگ اور پرُ خطر ہے! یہ سفر خواہ ادب میں بھی شروع ہو یا کسی دوسرے شعبے میں، مرد اساس معاشرے سے اپنے لئے لڑنے اور جگہ بنانے میں ؟ گئی گزری ڈری اور ڈرائی گئی عورت جلد ہی تھک کر صلح جوئی کے راستہ ہی کو فلاح کا راستہ مان کر سپر ڈال دیتی ہے۔

اپنے کنفیوزڈ آزادی کے اس سفر میں مرد اساس معاشرے سے مدافعانہ تیور اختیار کرنا اس کے بس کی بات نہیں ہوتی، ہو بھی جائے تو اس کا حال اور برا ہو تا ہے۔وہ کسی مشن پر نکلے، کسی استحصال سے لڑنے کے لئے نکلے،ادب آرٹ کی کتنی انتہائیں لئے ہوئے ہو اس کا نکلنا محض ایک عورت کا نکلنا،اس کا سفر محض اک عورت کا سفر رہ جاتا ہے۔ کیوں نہ ہو ریا کاری کی حد تک دوسری طرف کے ہندوستان کے کسے بندھے اقداری سسٹم کے تحت پروردہ sex starving male majority کے روپ میں نفسیاتی مریضوں کی اک بڑی بھیڑ جو ٹمپو،بسوں، راشن کی لائنوں سے لے کر ادب کے راشن کی لائن تک، مشاعرے کے اسٹیج سے لے کر بازاروں، میلوں، ٹھیلوں، بھیڑ بھاڑ، تفریح گاہوں، درسگاہوں تک ، چھوٹی موٹی لٹیا چوری سے ہی خوش ہونے والی بھیڑ بھی تو ہے جو بار بار یاد دلاتی ہے کہ آپ صرف عورت ہیں آپ صرف عورت ہیں۔ جائزہ لیں تو ہمارے ہی قناعت پسند مشرقی مرد تھوڑی یا تھوڑا سا نشہ شکار کر کے خوش ہونے والے بھاگتے بھوت کی لنگوٹی ہی پر اکتفا کر لینے والے سب سے زیادہ تعداد میں نکلیں گے،ایسے بھوکے بنگالی ریاکار سماج میں ہم اس سادہ لوح عورت کے کس لبرل فیمنزم کی نمائندگی کا پٹہ لگا سکتے ہیں اور اس میں اگے گا کیا؟ کبھی کبھی تو ایسا لگتا ہے وہ آزادی جو عورت کے مسائل کا واحد علاج تھی feminism کی purity کو بھٹکا کر

اسے بھی مرد کے ذریعے لگایا ہوا بھوگ کا ایک پیڑ بنا دیا گیا جس کی شاخ شاخ پر عام سادہ لوح عورت کے استحصال کے پھل پھول گندھے ہوئے تھے۔

ورنہ کون ہے جس نے عورت کو اتنا body oriented بنایا اور اول سے آخر تک صرف ایک body ہی رہنے پر عورت کے اصرار کے پیچھے بھوگیوں اور ولاسیوں کا کون سا مشن کام کر رہا تھا، آخر کار مشرق میں بھی یہ ایک مخصوص طبقے کا مخصوص Feminism ہی تو تھا جو مردوں کی پشت پناہی میں پھلا پھولا۔ اردو کی عام عورت خواہ ادب کی مسافر ہو یا سوشل ورکر یا آرٹ کے کسی شعبے سے تعلق رکھنے والی ہو کیا اس کی ذہنی تربیت اس کا men-tal status اتنا refined اور strong ہو سکا کہ اس میں مرد اساس معاشرے سے ملنے والے ممکنہ آگھات، پینتروں، کھانچوں اور زندانوں سے نبٹنے، باہر آنے اور resist کرنے کی تاب و صلاحیت ہو؟ کیا ہمارے Institutions، ہمارے تربیتی ادارے، ہمارے گھر سے سماج تک پھیلا مرد اساس معاشرہ اسے اپنے اپنے سبق اپنے پاٹھ پڑھانے کے بجائے یہ کبھی جاننے دے گا؟ مسائل کے حل کی تلاش میں بھٹک کر ہم ٹیکس فری سیکس، فری تہذیب کے اندھے سرنگھن میں شامل نکلچی ہو چکے ہیں۔ مشرق اور مغرب کی تہذیبی جڑوں کے فرق و امتیاز کو بھول کر مسائل کا حل ڈھونڈ رہے ہیں۔ بھول گئے ہیں کہ جہاں سے وہ nourish ہوتے ہیں وہاں سے ہم rubbish ہوتے ہیں، یہی ہمارے سسٹم کے مشرق و مغرب ہیں۔ مسائل سے آزادی کے نام پر انہیں کوئی نہیں بدل سکتا۔ یہ تحریکات تہذیب، سماجی افرادی بقا کی ضامن ہوتی ہیں مگر مسائل کا علاج لے کر آئی نسائی آزادی نے بھی تہذیب کے دانت کھٹے کر دیے ہیں۔ اس کے وبائی نعروں، موسمی تحریکات ور جحانات کو جیوں کا تیوں ہضم کر لینے کے چکر میں ہم بد ہضمی کی شکار تہذیب کو جنم دے چکے ہیں جسے لبدی ہیضہ ہو چکا ہے اور اس ہیضہ کو مردوں کی سرپرستی میں فروغ اس لئے مل رہا ہے کیوں کہ اس ہیضہ کا ڈاکٹر بھی وہ خود ہی بنا بیٹھا ہے۔

صحافی خوشونت سنگھ کا کہنا ہے کہ 'عورت کا اصل ہتھیار اس کی مسکراہٹ ہے اس کے سوا اسے کسی ہتھیار کی ضرورت نہیں۔ دل چاہے نہ چاہے تو بھی کچھ حاصل کرنے' کچھ جیتنے کچھ پانے کے لئے مسکرانا یا اس کی ترغیب دینا ایک refined قسم کی مغربی پیشہ وری ہے

جس پر عمل در آمد ہماری تن آسان مشرقی تہذیب، تن آسان ادب، تن آسان سماج میں شروع ہو چکی ہے۔ جنیوئن، سنجیدہ اور اس صورتِ حال سے خوف زدہ بھی اور ہم سب اس پیشہ ور تہذیب میں جی رہے ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ انھیں کی ترغیبات کی سدھائی پالتو نسائی پیشہ وری جب کسی لور ایسے ہی سماج سدھارک کی پالتو ہو جاتی ہے اب ظاہر ہے کہ پالتو پن کو فروغ دیں گے تو یہ تو ہو گا ہی۔ تو یہی مرد صحافی مدیر، ادیب و شاعر مل کر تریا چرتر کو خوار کرتے ہیں، اتنا کوستے ہیں کہ جینے کے لائق ہی نہیں چھوڑتے۔ اس تن آسان پیشہ ور تہذیب ہی کے ہاتھوں سارا شگفتہ جیسی شاعرہ کو ٹرین کی پٹریوں میں کٹ کر مر جانے والی موت کا تحفہ ملتا ہے اور موت کے ذمہ داروں، بھاگی داروں کے حصے میں تعزیتی جلسوں میں آنسو بہانے اور پھر نئی سارا شگفتہ تیار کرنے کا اہم مشن! حشر پروین شاکر کا بھی شاید یہی ہوتا مگر احمد ندیم قاسمی جیسا گاڈ فادر انھیں نصیب ہو گیا۔ لہٰذا ضروری ہو گیا کہ لکھنے سے پہلے خواتین عزت اور جان بچانے والے گاڈ فادر تلاش کریں۔

اسقاط کا بڑھتا گراف، جنسی جرائم کی انتہا child abusing نطفے کا قتل، ریپ کی گرم بازاری، یہ سب کڑیاں ہیں ہمارے استحصال کی جو جڑی ہیں ایک دوسرے سے اور ہماری اس بار بار موت میں لگاتار استحصال کے اس پورے ایپی سوڈ میں نئی عورت کے احتجاج کی آواز بھی گم ہے۔ نصف صدی پہلے سے جل رہی وہ آگ بھی گم ہے جسے رشید جہاں، عصمت چغتائی، قرۃالعین حیدر، رضیہ سجاد ظہیر، ممتاز شیریں اس کے بعد جیلانی بانو، جمیلہ ہاشمی، واجدہ تبسم نے عالمی پیمانے پر جلائی۔ وہ آگ جو ہماری نامور خواتین نے جلائی اور ہمارے زبان وادب کو اتنی وسعت اتنی richness دی کہ جس richness تک fire میں دیپا مہتہ اب پہنچ سکی ہیں۔ اردو کو عصمت 'لحاف' کے ذریعہ بہت پہلے وہاں پہنچا چکی ہیں۔ کل عینی آپا، نارنگ صاحب اور جیلانی بانو صاحبہ کا کہنا تھا کہ اس نئی تہذیب، عصر جدید کے گہرے مسائل اور کمزور پھسپھسے منظر نامے میں گلے گلے پھنسی عورت کی صدائے احتجاج نہیں، کوئی مزاحمتی دستخط نہیں تو کیوں؟ اگر ہیں تو کہاں ہیں؟ ہم بہت پچھڑ کیوں گئے ہیں یہ دُردشا ہماری ہی زبان میں کیوں ہے؟ اتنی بری حالت پاکستان میں تو نہیں؟ کیا اردو کے مسائل کی فہرست پہلے ہی بہت طویل نہیں ہے؟ پھر اس میں اردو کی عورت کو بھی مسئلہ بنا کر کیوں شامل

کر لیا گیا ہے ؟ نئے عالمی معیار کی ترویج میں خواتین کی عدم موجوگی کی شکایت یا سرسری موجودگی اور ایک طے شدہ status پر منجمد عورت کا المیہ !دوسری طرف جن سنجیدہ خواتین نے ادب کے مختلف شعبوں کو توسیع بخشی ان کے ساتھ کیا سلوک روار کھا گیا؟

ایک آدھ مثال کو چھوڑ کر عورتیں اظہار کی بے باکی کے نام پر جنس اور نسائی رومانی اظہار کے چکرویو میں پھنسی رہیں۔ پروین شاکر یا فہمیدہ ریاض کہلانے کے لالچ نے باندھے رکھا۔ مرد اساس تنقید اور ادارت نے عریاں اظہار اور جنس کے گول گپے کھلانے والی شاعری وادب پر صدقے قربان ہونے کا اور واہ واہی کا جو چکر چلایا تو ہماری بیشتر تنقید کی ذہنی صحت مندی سنجیدگی اور ایمانداری بھی مشکوک ہو گئی۔ ابھی تازہ مثال اس کی عذرا عباس کی سویرا اسیریز والی بہت ساری نظمیں ہیں جنھیں نیاورق، شب خون اور بہت سارے جریدوں نے اہتمام سے شائع کیا۔ اس طرح یہ سراغ بھی دیا کہ ہماری افسوسناک ادارت اور اندوہناک تنقید نسائی ادب کا کونسا چہرہ ادب میں establish کرنا چاہتی ہے۔

یہ غیر ذمہ دارانہ رویہ بھی ہماری ہی زبان کا المیہ ہے اور آج کا نہیں اردو کی روایت سے جڑا ہوا سچ ہے۔ کل شمیم نکہت صاحبہ نے اس عام عورت تک آواز کے نہ پہنچ پانے کے المیے کا ذکر کیا اور یہ بہت اہم بات ہے۔

تنقید میں، ادارت میں، صحافت میں، ہر جگہ اندھیرا کیوں ہے ؟ خواتین کے ادب کے بارے میں preplanned اور طے شدہ حکمت عملی کیوں ؟ تضحیک اور ignor-ance اس کے دو بڑے اہم نکتے ہیں۔ اگر خواتین قلم کاروں کا سب سے بڑا مسئلہ ان کا کنڈیشنڈ مینٹل اسٹیٹس (mental status) ہے تو پہلے یہی مسئلہ مرد اساس معاشرے کا بھی ہے۔ ہمیں اپنی اپنی اس کنڈیشنڈ محدود، مشروط سوچ کے تنگ دائروں سے اوپر اٹھتے ہوئے راستہ بنانا ہے۔ عورت اور مرد کے ادب میں ایک منفی فاصلہ اور امتیاز قائم رکھنا کوئی فیمنزم نہیں، مردانگی نہیں بلکہ ادب کا بھی اور زبان کا بھی نا قابل تلافی نقصان ہے اور اس سلسلے میں ہمارے ایماندار، جینوئن، سنجیدہ مرد ادیبوں پر بھی بھاری ذمہ داری ہے ورنہ وہ دن دور نہیں کہ اردو کی تصویر عالمی تناظر میں واجد علی شاہ کے سر پر رکھی مخملی ٹوپی سے زیادہ نہیں رہ پائے گی کیوں کہ عالمی مشاعروں کے ذریعہ ہم یہی پیغام دنیا کو دے بھی چکے ہیں اور ابھی دے بھی

رہے ہیں! ہماری شاعرات اور ان کے سپلائر اردو کا جو نقشہ قائم کر رہے ہیں کیا وہ اس سے مختلف ہے ؟ اور کیا اس کے خلاف ہمیں مل کر نہیں لڑنا چاہیئے ؟ اس بیمار معاشرے میں ایسی بیمار تنقید اور بیمار صحافت کی گرفت میں آئے ادب کے معاملے میں جو مسائل خواتین کے ہیں ان گنے چنے مردوں اور جینوئن تخلیق کاروں کے لئے بھی یہ تنقید اور ادارت مسئلہ ہے۔ جب ہم لکھنا شروع کرتے ہیں تو در حقیقت ہم ایک نئے پریوار میں داخل ہو رہے ہوتے ہیں کیوں کہ لکھنے والوں میں قلم اور احتجاج ہی ایسی قدر مشترک ہے جو یکساں بلڈ گروپ رکھنے والوں یا اس کے جیسے sun signوالوں کی مزاجی similarity کی طرح ہوتی ہے مگر اس پریوارک سسٹم کو افسوس بیمار تنقید نے چوہابلی کے کھیل میں بدل دیا ہے، گدھ اور مردار کا رشتہ بنادیا ہے اس تخلیق اور تنقید کے رشتے کو سمناروں، جریدوں اور گفتگو میں گھنٹوں اسی پر غارت ہونے لگے کہ تنقید کا لب ولہجہ کتنے سو سال سے آمرانہ رہا ہے اور تنقید کی تخلیق پر حکمرانی کتنا نا قابل تردید سچ ہے۔ یہ بیمار تنقید بھی دراصل تخلیق کا وہ مرد بچہ ہے جو پیدا ہوتے ہی ماں کو ناقص العقل یا صنفِ دوئم ثابت کرنے میں جٹ جاتا ہے۔

یہ ہے ہماری عالمی تنقید، آفاقی زندہ زبان کا مردہ منظر نامہ، جس میں کردار بدلتے ہیں منظر نہیں۔ اس مردہ عجائب گھر میں کسی عورت کی گنجائش ہو سکتی ہے میرے خیال سے بتانے کی ضرورت اب نہیں ہوگی اور اگر کوئی نسائی آواز ان وضع کردہ سانچوں سے باہر ہے تو تضحیک اور ignorance دو pet حربے اس کے علاج کے لئے کافی ہیں۔ اگر اس کے باوجود بھی وہ سوچنا بند نہیں کرتی تو اور بھی بڑے بڑے کئی زنداں ہیں معاشرے میں اس کے لئے کیوں کہ ادب بہترین دماغوں کی بساط ہے اور اس بساط پر عورت اگر پچھ جائے یا بچھادی جائے تو حشر کے مشاعرے ہی نہیں ہندو پاک کے بہت سے جریدے اور پورا ادبی جرگہ گواہ ہے۔ میری پسندیدہ نظموں میں سے ایک نظم تھی میری۔

"تم تو صرف اور صرف کتے نکلے"

جبکہ میں اس کتے میں مرد بھی چاہتی تھی
میں اس مرد میں اک باپ بھی چاہتی تھی
میں اس باپ میں اک بچہ بھی چاہتی تھی

میں اس بچے میں اک خدا بھی چاہتی تھی
مگر تم تو صرف اور صرف کتے نکلے
اب سوچ میں ہوں کہ
ماں سے کتا پکڑنے والی گاڑی میں کس طرح بدل جاؤں
خسارہ ہے، خسارہ ہے محبت کا زنا میں انا کا پاور گیم میں بدل جانا

خسارہ پاور گیم کا ایگو clashes میں بدل جانا، بدلنے کی چکی بہت تیز بہت تیز چل رہی ہے بدل رہے ہیں ہم، بدل رہے ہو تم۔ کب تم چوہا، میں بلی بن جاؤں، کب تم بھیڑیا میں خرگوش۔ کہہ نہیں سکتی مگر ایک عورت میں اس کا جسم اتنا بھی اہم نہیں ہوتا کہ اس کے جسم کو ہی اس کی قبر بنا دیا جائے۔ مجھے اس قبر سے نکلنے دو، جلتی ہوں تو جلنے دو! مگر افسوس کہ ہمارے مرد مدیر ان میں سے کچھ نے تو ناشائستہ کہہ کر چھاپنے سے انکار کر دیا اور کچھ خاموشی سے اسے ہضم کر گئے، نہ ہاں کیا نہ نا، نہ اچھی نہ بری، بہتوں نے لفظ کتے پر اعتراض کیا اور شاید اسی لئے ناشائستہ کہہ کر اسے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔ میرا سوال ہے کہ جس ملک میں اخبار چھ برس کی بچی سے لے کر چھ ماہ کی بچی تک کے ریپ کی ناشائستگی سے بھرا ہوتا ہے۔ صبح فیشن چینل پر طلوع اور شام ایم ٹی وی پر غروب ہوتی ہے ایسے سورج کے لئے اس نظم میں کون سی ناشائستگی ہے؟

نسائی استحصال کی نئی جہتوں کو فروغ دینے کے لئے اسی ملک میں جنس نگاری کی موافقت میں آجکل جو اک لفظ چل نکلا ہے "کیا بولڈ لکھتی ہے" اور یہ لفظ اسی شائستہ مرد اساس معاشرے کو اتنا سہاتا ہے کہ "سارے اولڈ" "سارے کولڈ" "سارے گولڈ" اس بولڈ بازی کے دریا میں ڈبکی لگانے کو بلبلانے بھنبھنانے لگتے ہیں۔

آخر میں ہم صرف اتنا کہنا چاہیں گے کہ اگر ہم سچ مچ اردو کے جنونی، اس کے عاشق اور متوالے ہیں تو مسئلہ خواتین کے مسائل کا ہے مسئلہ مرد اساس معاشرے کا نہیں۔ مسئلہ زبان و ادب کے لنگڑے پن کا بھی ہے کہ ادبی مورخوں 'ناقدوں' محققوں، مدیروں نے اگر اپنا mental status نہیں بدلا اس کنڈیشننگ کو نہیں توڑا اور دوسری زبانوں کی طرح خواتین کی نمائندگی اور ان کے کنٹری بیوشن کے ساتھ ایماندارانہ چوکسی نہیں برتی، ادب

کی well grown up عورت سے ڈرنے کے بجائے احساسِ کمتری کا شکار ہو کر اس کی قبر کھودنے کے بجائے اپنا اور اس کا اعتماد بحال رکھتے ہوئے دوستانہ فضا میں ادب کی تخلیق کرتے ہوئے نئی صدی کو خیر مقدم نہیں کیا تو وہ دن دور نہیں جب تاریخ بار بار اپنے کو دہرائے گی۔ کسی دن پھر کوئی ساجدہ زیدی اپنے ادب پر پھر کسی ساہتیہ اکیڈمی سمنار میں خود پر اپنے فن پر مضمون لکھ کر آپ کو سنا رہی ہو گی۔ میرے لیے اس سے زیادہ المناک اور کوئی لمحہ نہیں تھا۔ جیسے جیسے تاریخ اس حادثے کو بار بار دہراتی جائے گی آپ سب منھ دبا دبا کر ہنس رہے ہوں گے اور اپنی پیاری زبان اردو کی اس عورت پر اور تاریخ آپ پر۔ آپ کی باتوں پر آپ کے زبوں حال کلچر، ناانصافی پر، زبان پر اور ادب پر ہنس رہی ہوں گی۔

اگر ہم صنفی چٹخارے اور صنفی گریے سے اوپر نہ اٹھ سکے تو؟

تو آنے والے کل میں

یہی ہمارا سچ ہو گا اور ہم مجرم۔

Scanned by CamScanner

سہ ماہی

اقدار

زندگی آمیز و زندگی آموز ادب کا نمائندہ

(ادبی کتابی سلسلہ)

نگراں

محمد حسن

ادارت

علی جاوید

مشاورت

سیّد شمیم کاظم

سیّد محمد عقیل

عتیق اللہ

ترتیب

شاہد پرویز

تنظیم

پروین فاطمہ

رائٹرز گلڈ (انڈیا) لمیٹڈ، ۲۲ر غالب اپارٹمنٹس، پیتم پورہ۔ دہلی۔ ۱۱۰۰۳۴

سہ ماہی
اقدار
دہلی
مدیر
علی جاوید